اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

کشش اور محبّت میں فرق:۔

اللہ رب العزت نے کائنات کی تمام چیزوں میں ایک دوسرے کی طرف میلان رکھا ہے۔یہ میلان اگر بے جان چیزوں میں ہو تو کشش کہلاتی ہے۔جیسے کشش ثقل یا گریوی ٹیشنل فورس۔

سائنس کا ایک چھوٹا سا طالب علم بھی جانتا ہے کہ Planets (سیارے) ایک دوسرے کو اپنی طرف Attract (کھینچتے) کرتے ہیں۔یہ میلان جو بے جان چیزوں کا ایک دوسرے کی طرف ہے یہ کشش کہلائے گا۔اور یہی میلان اگر جاندار لوگوں کا ہو تو اس کو محبّت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

محبّت کی علامت:

محبّت کی علامات یہ ہوتی ہیں کہ طبائع ایک دوسرے کی طرف رغبت رکھتی ہیں۔ایک دوسرے سے بات کرنے میں مزا آتا ہے،مل بیٹھنے میں مزا آتا ہے۔حال احوال کہنے، سننے میں مزا آتا ہے۔اور اگر کبھی اس سے جدا وقت گزارنا پڑے تو انسان اس کی کمی کو محسوس کرتا ہے۔

محبّت کی سمت کیا ہو؟

یہ محبّت انسان کو مخلوق سے بھی ہوتی ہے اور پروردگار سے بھی۔اگر مخلوق سے یہ محبّت نہ ہو تو انسان معاشرے میں زندگی گزار ہی نہیں سکتا۔معاشرے میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ان محبّتوں کا ہونا ضروری ہے۔ماں باپ سے محبّت، اپنے استاذ سے محبّت، پڑوسی سے محبّت، رشتہ داروں سے

محبّت۔ یہ تمام وہ محبّتیں ہیں کہ جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔اسی وجہ سے انسان دوسرے کے غم کو اپنا غم سمجھتا ہے اور دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان بیمار لیٹا ہوا ہوتا ہے اور تیماردار ساری رات جاگ کر اس کے قریب گزارتا ہے۔اگر یہ محبّتیں نہ ہوتیں تو دنیا میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوتا۔انسانیت کا جو امتیاز ہے وہ امیتاز شاید باقی نہ رہتا۔

لیکن ایک اصول وضع کر دیا گیا کہ یہ تمام محبّتیں دل میں ہوں تو سہی، مگر ان کی ڈائریکشن (سمت) ٹھیک ہونی چاہیے۔عام طور پر کہا جاتا ہے۔

Its not the distance which counts its direction.

فاصلے کی کوئی پروا نہیں ہوتی سمت کو دیکھا جاتا ہے۔

صحیح سمت کو انسان قدم بڑھا رہا ہے تو بالآخر اسے جلد یا بدیر اپنی منزل تک پہنچ جانا ہے اور اگر سمت ہی ٹھیک نہیں تو جتنا ہی تیز رفتار ہو پھر بھی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

تو اللہ رب العزت نے اس محبّت کو **Scalar Quantity** (غیر سمتی مقدار) نہیں بنایا کہ جدھر جی چاہے انسان اپنے دل کو اٹکا بیٹھے، بلکہ اس کو **vector Quantity** (سمتی مقدار) بنایا۔اس کا **Magnitude** بھی ہے اور ڈائریکشن بھی۔ ڈائریکشنز اللہ رب العزت کے لیے ۔چنانچہ ہم جو کلمہ پڑھتے ہیں: لا الہ الا اللہ ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

تو اس کا نچوڑ یہ ہوتا ہے، سینٹرل آئیڈیا یہ ہوتا ہے کہ انسان مخلوق سے کٹے اور اللہ رب العزت سے جڑے اور پھر اللہ رب العزت کی نسبت کے ساتھ مخلوق سے تعلّقات قائم کرے۔

محمود اور مذموم محبّتیں:

جب یہ اللہ رب العزت کی نسبت سے ہوں گے تو یہ تعلّقات عبادت بن جائیں گے۔اور اگر اپنے نفس کی خواہشات کی وجہ سے ہوں گے تو گناہ بن جائیں گے۔ یہ لائن آف ڈیمارکیشن ہے، جوان دونوں کے درمیان ہے۔اگر ان محبّتوں کی ڈائریکشن اور نسبت اللہ رب العزت کی وجہ سے ہے تو اللہ رب العزت کے یہ مقبول ہے۔حتیٰ کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا: هُمُ الْمُتَحَآبُّوْنَ فِي اللّٰهِ

”اللہ کے لیے وہ ایک دوسرے سے محبّت کرنے والے۔“

قیامت کے دن جب عرش کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا تو وہ دو بندے جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبّت کرتے ہوں گے ان دونوں کو اللہ اس محبّت کی وجہ سے جنت میں داخلہ عطا فرما دیں گے۔تو یہ محبّتیں محمود ہیں اگر اللہ رب العزت کی نسبت کی وجہ سے ہوں۔اور اگر اپنی خواہشات نفسانی ،اپنے فائدے اور دنیاوی اغراض کے لیے ہوں تو یہ مذموم بن جائیں گی۔

پہلی صورت کو انسان عشقِ حقیقی کہتا ہے۔اور دوسری صورت کو دنیا عشقِ مجازی کہتی ہے۔ ہے تو عشق ہی، چونکہ ڈائریکشن کا فرق ہو گیا اور اسی وجہ سے منزلیں مختلف ہو گئیں۔

محبتِ الٰہی کی چھتری:

قرآن مجید میں چیزوں کی اور لوگوں کی محبّت سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کی اَحَبِّیَّت سے منع کیا گیا۔ احبیت کا کیا مطلب ہوتا ہے؟اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ محبّتیں اللہ کی محبّت پر غالب نہیں ہونی چاہئیں۔ بلکہ ماتحت ہونی چاہئیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ

وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (التوبہ:24)

کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، برادری، وہ مال جو تم نے کمایا، وہ تجارت جس کے ختم ہونے کا تمہیں ڈر ہے، اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

یہ تمام محبّتیں اگر اللہ رب العزت کی محبّت، اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی محبّت پر غالب آجائیں تو پھر تم اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تمام محبّتیں ہونی چاہئیں مگر اللہ کی محبّت کی ''Umbrella'' (چھتری) کے نیچے، یعنی اس کے تحت ہونی چاہئیں۔ پھر تو یہ ٹھیک ہیں۔ اس لیے پھر انسان ان محبّتوں سے زندگی گزارے گا تو نیکی کمائے گا لیکن جہاں دیکھے کہ یہ اللہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں تو اب حکم ملے گا کہ اگر یہ تمہارے راستے میں آئیں تو پاؤں کی ٹھوکر لگا کر آگے نکل جاؤ۔ منزل مقصود کچھ اور ہے۔

یہ محبّتیں اللہ کی عبادت اور بندگی میں رکاوٹ نہیں بننی چاہئیں۔ اگر کہیں کوئی محبّت رکاوٹ بنے گی تو پھر اس پر پاؤں رکھ کر ہمیں آگے قدم بڑھانا ہوگا۔ تو یہ محبّتیں اس وقت تک سلامت ہیں، ٹھیک ہیں، اچھی ہیں، جب تک اللہ رب العزت کی نسبت سے ہیں۔ اللہ کی محبّت کی بنا پر...... اصل محبّت کس کی دل میں ہو؟ پرودگار عالم کی۔

محبّت الٰہی کی مثال یوں سمجھیے! کہ یہ ایک درخت کا Stem (تنا) ہے اور باقی اس کی برانچز (شاخیں)۔ صاف ظاہر ہے کہ جو برانچ اپنے تنے سے جدا ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ ہری بھری نہیں

رہتی بلکہ مرجھا جاتی ہے۔ برگ وبار سے محروم ہو جاتی ہے۔اسی طرح جب بھی کوئی محبّت اللہ رب العزت کی نسبت سے کٹ جائے گی تو وہ انسان کے لیےنقصان کا باعث بن جائے گی۔ایک ہی محبّت ہے جو غالب ہے۔

محبتِ الٰہی نیوکلیس کی مانند ہے:

حدیث پاک میں فرمایا گیا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَان

’’جس نے دیا اللہ کے لیے، نہ دیا اللہ کے لیے، کسی سے محبّت کی تو اللہ کے لیےاور اگر کسی سے دل میں بغض رکھا تو بھی اللہ کے لیےتو اس بندے نے اپنے ایمان کو مکمّل کرلیا۔‘‘

یعنی محبّت الٰہی ایک سنٹر ہے،ایک نیوکلیس ہے اور باقی محبّتیں اس کے گرد Orbit (مدار) میں Revolve (گھوم) رہی ہیں۔جب تک مدار میں چل رہی ہیں تب تک تو ٹھیک ہیں۔جب اس نیو کلیس سے ہٹیں گی تو پھر یہ محبّتیں انسان کو نقصان دینے والی بن جاتی ہیں۔اس لیے ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ:165)

’’ایمان والوں کو اللہ رب العزت سے شدید محبّت ہوتی ہے۔‘‘

محبّت کے مدارج:

یہاں سے معلوم ہوا کہ محبّت کے بھی مدارج ہیں۔جس طرح آپ پینے کے لیے پانی مانگتے ہیں اور سادہ پانی اٹھا کر آپ کو دے دیا جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں یہ گرم ہے، حالانکہ وہ گرم نہیں ہوتا۔لیکن وہ اتنا ٹھنڈا بھی نہیں ہوتا جتنا آپ چاہتے ہیں۔آپ تو ریفریجریٹر کا پانی پینا چاہتے ہیں۔اس نے آپ کو ٹونٹی کا پانی

لا کر دے دیا۔ آپ کہتے ہیں کہ وہ گرم پانی لائے ہیں۔ اب لفظ آپ نے گرم استعمال کیا، لیکن گرمی کا اپنا ایک معیار ہے۔ پھر آپ وضو کے لیے پانی لینا چاہتے ہیں۔ اب اگر آپ کو ٹیپ واٹر دیا جائے تو آپ کہتے ہیں کہ جی! گرم ہونا چاہیے یعنی گرمی کی شدت ذرا زیادہ چاہیے۔ اگر آپ چائے کے لیے پانی منگواتے ہیں تو اگر وہی پانی آپ کو دیا جائے تو آپ اس سے زیادہ گرم چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ کم گرم ہے۔ تینوں صورتوں میں آپ نے گرم کا لفظ استعمال کیا۔

پینے کا پانی، یہ گرم ہے، وضو کا پانی، یہ گرم ہے، چائے کا پانی، یہ گرم ہے۔ مگر تینوں کی گرمی کی جو ڈگری ہے (ڈگری آف ہاٹ نیس) وہ سب کی ڈفرنٹ ہے۔ اس کو شدت کہتے ہیں۔

محبّت الٰہی کا بیج:

ہر مومن کے دل میں جس نے بھی کلمہ پڑھا ہے، اللہ رب العزت کی محبّت کا بیج موجود ہے۔ کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو! کس قدر بے عمل ہی اس کی زندگی کیوں نہ ہو، دن رات گناہوں میں گزرے لیکن وہ کلمہ پڑھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کے اندر محبّت الٰہی کا بیج موجود ہے۔ لہٰذا اس کو مناسب **Environment** (ماحول) ملنا چاہیے۔ پھر یہ بیج پھلے پھولے گا، اور پھل پھول لگائے گا۔

ہاں! انسان جس ماحول میں رہے، اور جیسے عمل کرے پھر اس محبّت کی کیفیت میں شدت آتی چلی جاتی ہے۔ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

محبّت والوں کے محبّت بھرے اعمال:

جن کو آج ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس محبّت کی **Maximum degree of hotness** (گرمی کی زیادہ سے زیادہ شدت کو) حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کو سینے میں اللہ کی محبّت کی ایک حرارت محسوس ہوتی ہے۔ وہ محبّت کی گرمی انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ وہ ہر وقت عمل کے

لیے برانگیختہ ہوتے ہیں۔وہ ہر وقت ایک موٹی ویشن (تحریک) محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔چنانچہ وہ فجر کی نماز پڑھتے ہیں تو ظہر کا انتظار ہوتا ہے......ظہر پڑھتے ہیں تو عصر کا،ان کو اللہ کے حکموں پر عمل کرنا بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ محبّت میں وہ اس پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔اپنی طرف سے وہ اعمال بھی کرتے ہیں اور اوپر سے اللہ رب العزت کا احسان بھی مان رہے ہوتے ہیں کہ اے مالک! یہ تیرا احسان ہے کہ تو نے ہمیں توفیق دی ہوئی ہے۔ان کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ کہنے والے نے کہا:

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت ازو شناس کہ درخدمت گزاشتند

اے دوست! تو بادشاہ پر احسان نہ چڑھا کہ تو اس کی خدمت کرتا ہے۔ارے! بادشاہ کی خدمت کرنے والے لاکھوں! یہ تو بادشاہ کا احسان ہے کہ جس نے تمہیں خدمت کے لیے چن لیا ہے۔تو ایسا بندہ جب اللہ کی عبادت میں زندگی گزارتا ہے تو اس کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتا ہے اور احسان بھی پھر اسی پروردگار کا مانتا ہے۔یہ محبّت کی شدت ہے اور اللہ رب العزت کو یہی مطلوب ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165)

''ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبّت ہوتی ہے۔''

آج ہم سب کے سب جتنے بھی یہاں کلمہ گو موجود ہیں سینوں میں اللہ کی محبّت لیے بیٹھے ہیں۔یہ محبّت ہی تو ہے جو ہمیں یہاں کھینچ لائی۔ہمارا اپنے گھروں سے وقت نکال کر،اپنے بزنس سے ٹائم فارغ کر کے،اپنی مصروفیات سے وقت نکال کے یہاں آجانا،اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ رب العزت کی محبت سینوں میں موجود ہے۔لیکن ہم اس بات کے طلبگار ہیں کہ یہ محبّت زیادہ ہو جائے۔

آپ نے دیکھا ہوگا! ایک آدمی کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو؟ بالکل بے نمازی،بے عمل قسم کا آدمی ہو،اگر وہ

بھی دیکھتا ہے کہ زمین پر کاغذ پڑا ہے جس پر اللہ رب العزت کا نام لکھا ہے تو وہ بھی اس کو اٹھا کے اوپر رکھ دیتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت موجود ہے۔ جوتا الٹا پڑا ہو تو کئی لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس کو فوراً سیدھا کر دیتے ہیں۔ یہ محبّت کی دلیل ہے۔

ایک نوجوان کا روح پرور واقعہ:

امریکہ میں ایک نوجوان تھا۔کلمہ گو مسلمان تھا۔لیکن جس دفتر میں کام کرتا تھا اس دفتر میں کام کرنے والی ایک امریکن لڑکی سے اس کا تعلّق ہو گیا۔اس کا یہ محبّت کا تعلّق اتنا بڑھا کہ اس نے محسوس کیا کہ اب میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔چنانچہ اس نے پروپوزل (تجویز) بھیج دی کہ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔اس کے والدین نے کہا کہ ہماری یہ کنڈیشن (شرط) ہے کہ

☆ ہم عیسائی ہیں اس لیے آپ کو اپنا دین چھوڑ کر عیسائی ہونا پڑے گا۔

☆ والدین سے قطع تعلّق کرنا پڑے گی۔

☆ آپ اپنے ملک واپس نہیں جایا کریں گے۔

☆ جس کمیونٹی میں آپ رہتے ہیں اس کمیونٹی کے لوگوں سے آپ بالکل نہیں ملا کریں گے۔

اگر آپ یہ تمام شرائط پوری کر سکتے ہیں تو ہم اپنی بیٹی کی شادی کر دیتے ہیں۔ یہ اپنے جذبات میں اس قدر مغلوب الحال تھا کہ اس اللہ کے بندے نے یہ تمام شرائط قبول کر لیں۔ ماں باپ سے قطع تعلّقی،عزیز و اقارب سے رشتہ ختم،ملک سے رشتہ ختم،جس کمیونٹی (مسجد) میں رہتا تھا،وہاں آتا جاتا تھا،وہاں سے رشتہ ختم۔حتی کہ یہ اپنا مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گیا اور عیسائیوں کے ماحول میں زندگی گزارنے لگ گیا۔ پھر اس نے اس لڑکی سے شادی کر لی۔مسلمان بڑے پریشان۔کبھی کبھی وہ اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ ان سے ملنے سے بھی کترایا کرتا تھا۔کہیں پبلک میں مل جاتا تو یہ دور

سے کنی کترا جاتا تھا، لوگ بالآخر تھک گئے۔

☆ کسی نے کہا: اس کے دل پر مہر لگ گئی۔

☆ کسی نے کہا: مرتد ہو گیا۔

☆ کسی نے کہا: اس نے جہنّم خرید لی۔

☆ کسی نے کہا: اس نے بڑا مہنگا سودا کیا۔

جتنے منہ اتنی باتیں۔ اسی حال میں اس کو ایک سال گزر گیا، دو سال گزر گئے، چار سال یونہی گزر گئے۔ حتی کہ اس کے دوست احباب اس سے مایوس ہو گئے۔ حتی کہ یہ ان کی یادداشت سے بھی نکلنے لگ گیا اور بھولی بسری چیز بنتا چلا گیا۔ اچانک ایک دن امام صاحب نے مسجد کا دروازہ کھولا۔ یہ نوجوان بھی فجر کی نماز پڑھنے کے لیے آیا۔ وضو کیا اور مسجد میں صف میں آ کر بیٹھ گیا۔ امام صاحب بڑے حیران! ان کے لیے تو یہ بڑی عجیب چیز تھی۔ انہوں نے نماز پڑھائی، پھر اس سے سلام لیا اور اس کو اپنے حجرہ کمرے میں لے گئے۔ انہوں نے محبّت، پیار سے بیٹھ کر ذرا پوچھا کہ آج بڑی مدت کے بعد آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔

اس وقت اس نے اپنی حالت بتائی کہ میں نے اس لڑکی کی محبّت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، بہت کچھ میں نے اپنا ضائع کر دیا۔ لیکن جس گھر میں میں رہتا تھا، میرے اس گھر میں ایک جگہ پر اللہ کا قرآن پڑا ہوا تھا۔ میں جب کبھی آتا جاتا میری نظر اس قرآن مجید پر پڑتی تو میں اپنے دل میں سوچتا کہ یہ میرے مولا کا کلام ہے اور یہ میرے گھر میں موجود ہے۔ میں اپنے نفس کو ملامت کرتا کہ تو ظاہر میں جو بنا پھرتا ہے، پھر بھی تیرے دل میں اللہ کا ایمان موجود ہے۔ اعمال میرے برے تھے لیکن دل مجھے کہا کرتا تھا: میں نے جس کا کلمہ پڑھا، میں اس سے محبّت کرتا ضرور ہوں اس لیے اس کی نشانی میں نے رکھی ہوئی

ہے۔

اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ایک دن میں آیا اور حسبِ معمول میں نے گزرتے ہوئے اس پر نظر ڈالی تو مجھے وہ کتاب نظر نہ آئی۔میں نے وائف سے پوچھا کہ ایک کتاب یہاں پڑی تھی ،وہ کدھر ہے؟اس نے کہا: میں نے گھر کی صفائی کی تھی تو جو غیر ضروری چیزیں تھیں، جو استعمال نہیں ہوتی تھیں،ان سب کو میں نے ٹریش کر دیا (یعنی ان کو الگ کر کے ایک گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا)۔اس نے پوچھا اس کتاب کو بھی؟اس نے کہا: ہاں! یہ نوجوان وہیں سے واپس گیا اور جا کر ٹریش کیبن میں سے وہ کتاب اٹھا لایا۔جب لڑکی نے دیکھا کہ یہ بڑی Strong Feelings (شدید جذبات) کا اظہار کر رہا ہے اس کتاب کے بارے میں تو وہ بھی محسوس کرنے لگی کہ آخر کیا وجہ ہے؟اس نے کہا کہ بس میں اس کتاب کو گھر میں رکھنا چاہتا ہوں۔ جب اس لڑکی نے کتاب کو دیکھا کہ عربی ہے تو اس نے سوچا کہ اس کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلّق ہے۔وہ کہنے لگی: دیکھو! یا تو اس گھر میں یہ کتاب رہے گی یا پھر میں رہوں گی۔ تمہیں آج یہ Decide (فیصلہ) کرنا ہے۔

جب اس لڑکی نے یہ کہا تو میں نے اپنے دل سے پوچھا کہ تو نے اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے وہ کچھ کر لیا جو تجھے نہیں کرنا چاہیے تھا، آج تیرا رشتہ پروردگار سے ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جائے گا،اب تو فیصلہ کر لے کہ تو اس (لڑکی) کو چاہتا ہے یا پھر اپنے پروردگار کو چاہتا ہے۔جب میں نے دل میں سوچا تو دل نے آواز دی کہ نہیں، میں اپنے مولا سے کبھی نہیں کٹنا چاہتا۔میں نے اس لڑکی کو طلاق دے دی ہے۔اب میں نے دوبارہ کلمہ پڑھا اور ہمیشہ کے لیے پکا مسلمان بن گیا ہوں۔

تو اتنا غافل مسلمان ہو کر بھی دل میں اللہ رب العزت کی محبّت کا بیج موجود ہوتا ہے۔

برائی سے محبّت ہو، برے سے نہیں:

کئی لوگوں کو دیکھا کہ اگر کوئی نماز نہ پڑھتا ہو تو لوگ اس کو بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ایک اصول یاد رکھ لیجیے! برائی سے نفرت ہونی چاہیے برے سے نہیں۔جس طرح ڈاکٹر اپنے ہاسپٹل میں بیماریوں سے نفرت کیا کرتے ہیں بیماروں سے نفرت نہیں کرتے۔اگر بیماروں سے نفرت کرتے تو سٹاف رات دن ان کی خدمت کیوں کرتے؟ وہ بیماریوں سے بچتے ہیں، پوری پوری توجہ دیتے ہیں کہ یہ بیماریاں ہمیں نہ لگ جائیں۔نبی علیہ السّلام نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی۔چنانچہ پیاز کو جو کھایا جاتا ہے، اس میں مہک ہوتی ہے۔اس لیے منع فرما دیا گیا کہ تم یہ مہک والی چیزیں کھاؤ تو مسجد میں نہ جاؤ۔جب تک کہ تم اپنے منہ کو صاف نہ کرلو۔تو نبی علیہ السّلام نے وہاں یہ نہیں فرمایا کہ میں پیاز سے نفرت کرتا ہوں بلکہ یوں فرمایا

اِنِّیْ اَکْرَہُ رِیْحَھَا

''کہ میں پیاز کی بو سے نفرت کرتا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں بندے کے اعمال (کی بو) سے نفرت ہونی چاہیے، بندے سے نہیں۔اگر یہی اللہ کا بندہ اپنی ڈائریکشن بدل لے گا تو جیسے آج گنہگار ہے ویسے ہی کل تہجّد گزار بن جائے گا۔یہ دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیاں ہیں۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ

''اللہ تعالیٰ جیسے چاہتے ہیں دلوں کو بدل دیا کرتے ہیں''

اس لیے ہمیں انسان ہونے کے ناطے ہر بندے سے محبّت ہو کہ یہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے:

اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ

’’اللہ کی مخلوق اللہ کی عیال ہے۔‘‘

یعنی جس نے بھی کلمہ پڑھا اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ہوتی ہے مگر اس محبّت کی کنڈیشن (حالت) یہ ہوتی ہے کہ یہ بہت ویک (کمزور) ہوتی ہے۔اب اپنی اس **Weakness** کو **Strenght** میں بدلنے کی ضرورت ہے۔وہ کیسے بدلیں؟اس کی مثال یوں سمجھیے! جیسے ایک درخت کمزور ہے۔اس کو پانی دیجیے،کھاد دیجیے تو پھر وہ اچھا اور توانا درخت بن جائے گا۔اسی طرح آپ بھی اس نوجوان کو اچھا ماحول دیجیے۔وعظ ونصیحت کیجیے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الذریت:55) ’’پس تم میرا ذکر کرو،پس بے شک میرا ذکر ایمان والوں کو نفع دیتا ہے۔‘‘

اس پر توجہ دیجیے۔پھر یہی کمزور نوجوان بالآخر آپ کے سامنے ایک مضبوط مومن بن کر کھڑا ہو جائے گا۔

محبّت الٰہی کی کوئی حد نہیں:

یہ تمام محبّتیں اس وقت تک ٹھیک ہیں جب تک اللہ رب العزت کی نسبت سے ہیں۔اور رہی بات اللہ رب العزت کی محبّت کی،تو اس کی کوئی حد نہیں ہے۔اس کی کوئی ڈگری نہیں بتائی گئی۔فرمایا:

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165)

’’اللہ تعالیٰ سے شدید محبّت ہوتی ہے۔‘‘

اب اس محبّت کی شدت جتنی بھی ہم بڑھا سکیں یہ ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ایسی محبّت ہو کہ ہم اللہ کا نام سنیں تو تڑپ اٹھیں۔حدیث پاک میں آتا ہے۔سیدہ عائشہ صدیقہ j روایت فرماتی ہیں:

''نبی علیہ السّلام ہمارے درمیان بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے ہوتے تھے۔ادھر اذان کی آواز آتی۔ بلالؓ اذان کہتے، اللہ اکبر، ادھر فوراً حضور ﷺ اٹھ کھڑے ہوتے اور یوں لگتا کہ جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں۔'' یہ ہے محبّت کی شدت کہ اللہ کا نام سنا، منادی نے ندا دی تو سب چیزوں کو چھوڑ دیا اور اپنے مالک سے سامنے سجدہ ریز ہونے کو تیار ہو گئے۔

تو ہمیں بھی ایسی محبّت ہو کہ اذان کی آواز سنیں تو فوراً اسی وقت مسجد کے اندر پہنچ جائیں۔ حکم سنیں تو اس پر عمل کے لیے تیار ہو جائیں۔

محبّت کا جنون باقی نہیں ہے:

آج ہمارے اندر یہ چیز بہت کم ہے جس کی وجہ سے اکثر احباب بے عملی کا شکار ہوتے ہیں۔ دل کر رہا ہوتا ہے لیکن قدم عمل کے لیے آگے نہیں بڑھتا۔وہ محبّت کا جذبہ کہ اگر اس کے اندر Strenght (قوت) آجائے تو پھر انسان کو پیچھے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ یہ محبّت کا جذبہ ہمارے سلف الصالحین سے لے کے اب تک زندگیوں میں نمایاں نظر آتا ہے۔

محبّت کا جنوں باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اعمال کی گفٹ پیکنگ:

آج اعمال تو ہیں لیکن ان کے اندر روح باقی نہیں ہے۔اور یہ روح ان میں محبّت کی وجہ سے پڑتی ہے۔ دیکھیں! آج اگر کسی آدمی کی کہیں منگنی ہو تو وہ جب کسی موقع پر ایک دوسرے کو گفٹ بھیجیں تو اس کو گفٹ پیک کرواتے ہیں۔اگر فروٹ باسکٹ بھی بھیجنی ہے تو اس کو بھی گفٹ پیکنگ کرواتے ہیں۔ بھئی! آپ جو پھلوں کی ٹوکری بھیج رہے ہیں یہ تو ویسے بھی دی جا سکتی ہے۔لیکن نہیں! محبّت کا

اظہار اس طرح سے ہوگا کہ ہم گفٹ پیکنگ کر کے بھیجیں۔جس طرح آج محبّت کی وجہ سے یہ چیزیں گفٹ پیکنگ کے ساتھ بھیجتے ہیں۔مومن اسی طرح اپنے اعمال کی گفٹ پیکنگ کر کے اپنے پروردگار کے پاس بھیجتا ہے

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

مومن کے دل میں بھی ہر وقت یہی چیز ہوتی ہے۔اس لیے نماز پڑھتا ہے تو حضوری کے ساتھ پڑھتا ہے۔خشوع کے ساتھ پڑھتا ہے۔اللہ رب العزت کا قرآن پڑھتا ہے تو وہ اسے ڈوب کر پڑھتا ہے۔زکوٰۃ دیتا ہے تو تاوان سمجھ کر نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی محبّت کے ساتھ دے رہا ہوتا ہے۔یہ چیزیں اعمال کے اندر جان پیدا کر دیتی ہیں۔

رب کے نام کے دام:

سیدنا ابراہیمؑ تشریف لا رہے ہیں۔آپ اپنی بکریاں چرا رہے تھے۔ایک آدمی قریب سے گزرا اور گزرتے ہوئے اس نے کہا:

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ جب اس نے اللہ رب العزت کی حمد اور تعریف اتنے پیارے الفاظ میں کہی تو آپؑ کا دل مچل اٹھا،تڑپ اٹھا۔وہیں رک گئے۔کہا:اے بھائی!ذرا یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجیے۔اس نے کہا:جی!آپ مجھے اس کے بدلے کیا دیں گے؟ آپ نے فرمایا:اچھا!یہ میرا آدھا ریوڑ آپ کا ہوگیا اور آپ یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجیے۔

اس نے وہ الفاظ پھر دوہرائے، کانوں میں رس گھل گیا۔طبیعت اور زیادہ بے تاب ہوگئی۔ جی چاہا پھر سنوں۔ فرمایا: اے بھائی! یہ الفاظ ایک مرتبہ پھر کہہ دیجیے۔ اس نے کہا: اب آپ اس کے بدلے میں کیا دیں گے؟ فرمایا: باقی بکریاں بھی آپ لے لیجیے اور ایک مرتبہ یہ الفاظ پھر کہہ دیں۔ اس نے پھر وہی الفاظ کہے۔ دل میں ایسا ولولہ تھا کہ جی چاہا پھر سن لوں۔ طبیعت چاہتی تھی

ہوتی رہے ثناء تیرے حسن و جمال کی

کہنے لگے اے بھائی! ایک دفعہ پھر یہ الفاظ کہہ دیں۔ وہ کہنے لگا: اب تو آپ کے پاس بکریاں بھی نہیں تو اب اس کے بدلے میں کیا دیں گے؟ ابراہیمؑ نے عرض کی: تمہیں اس کے لیے چرانے والے کی ضرورت ہوگی، تو اس کے لیے میں تمہاری بکریاں چرایا کروں گا، آپ ایک مرتبہ وہی الفاظ پھر کہہ دیجیے۔ اس نے کہا: اے ابراہیم خلیل اللہ! مبارک ہو...... میں تو اللہ رب العزت کا فرشتہ ہوں۔ مجھے پروردگار نے بھیجا تھا کہ میرے خلیل کے سامنے جا کر میرا نام لو اور دیکھو کہ وہ میرے نام کے کیا دام لگاتا ہے۔ اس کو محبّت کی شدت کہتے ہیں کہ انسان اللہ کے نام پر بک جاتا ہے

خدا کی راہ میں مٹ جا خدا کے نام پر بک جا یہی ایسی تجارت ہے کہ جس کو بے خطر پایا

دنیا میں یہ ایک ایسا بزنس ہے جس میں لاس کا کوئی چانس ہی نہیں۔ جس نے بھی یہ سودا کیا ہمیشہ اس نے نفع پایا۔ منزل پہ پہنچ گیا تو بھی خوش نصیب ہے اور اگر پہنچنے سے پہلے راستے میں موت آ گئی پھر بھی خوش نصیب ہے۔ اس لیے کہ اللہ کی محبّت کے راستے میں چلنے والا بن گیا تھا۔ تو یہ محبّت ہمارے اندر ہونی چاہیے۔

راہ خدا میں مٹنے کا جذبہ:

صحابہ ا کے دلوں میں اللہ رب العزت کے ساتھ اتنی محبّت ہوتی تھی۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ

احد کی لڑائی میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ اگلے دن فائر کھلنا ہے، لڑائی شروع ہونی ہے۔ دو صحابہؓ آپس میں دوست ہیں۔ پہلا دوسرے کو کہتا ہے کہ میں نے نبی علیہ السّلام سے سنا ہے کہ مجاہد جب اللہ کے راستے میں نکل کر دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔ دوسرے نے کہا میں نے بھی سنا ہے۔ کہنے لگے کیوں نہ ہو، میں دعا مانگتا ہوں آپ آمین کہنا اور پھر آپ دعا مانگیے گا پھر میں آمین کہوں گا۔ ہماری دعائیں قبول ہو جائیں گی۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ دونوں ایک طرف کو گئے۔

اب ایک نے دعا مانگی: اے اللہ! کل میرا مقابلہ دشمن کے کسی بڑے سے ہو، وہ مجھ پر اٹیک کرے میں اس پر وار کروں۔ اے مالک! ہمارا خوب مقابلہ ہو۔ بالآخر میں اس پر ایسا وار کروں کہ تیرے راستے میں اس کو قتل کر ڈالوں اور دشمن کے کسی بڑے کو قتل کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہو۔ دوسرے نے کہا: آمین۔

اب دوسرے کی باری تھی اس نے دعا مانگی، کہا: اے پروردگار! کل میرا مقابلہ کسی بہادر دشمن سے ہو، وہ مجھ پر وار کرے میں اس پر وار کروں، ہمارا خوب ایک دوسرے سے مقابلہ ہو۔ اور بالآخر وہ مجھ پر ایسا وار کرے کہ مجھے تیرے راستے میں شہید کر دے۔ اے اللہ! پھر وہ میری آنکھیں نکال دے اور میرے کانوں کو کاٹ لے، اے آقا! میں قیامت کے دن اسی حال میں آپ کے سامنے کھڑا کیا جاؤں اور تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیری آنکھوں اور کانوں کا کیا بنا؟ اور میں عرض کروں اے اللہ! میں محبّت میں یہ نذرانہ آپ کے سپرد کر کے آیا ہوں۔

اندازہ کیجیے کہ محبّت ان کو کس قدر اللہ رب العزت کی ملاقات کے لیے بے تاب کر دیتی تھی۔ یہ جذبہ آج ہمارے اندر موجود نہیں ہے۔ اگر ہو تو ہماری زندگی کی ترتیب مختلف ہو گی۔ ہماری لائف Objective Life (بامقصد زندگی) بن جائے گی۔ ہر بندے کی زندگی کے سامنے ایک مقصد ہوتا ہے۔ اس کا چلنا

پھرنا، اٹھا بیٹھنا، ایک مقصد کے تحت ہوتا ہے۔ ہمیں اس جذبے کو اپنے اندر پیدا کرنے کی خاص ضرورت ہے۔

اللہ کی راہ میں فدا ہونے کی تڑپ:

اسی طرح کا ایک اور واقعہ تابعین کے ہاں بھی پیش آیا۔ دو صاحب تھے جن کو عیسائی بادشاہ نے گرفتار کر لیا۔ اب ان کے فوجی جو اچھے دین و دانش رکھنے والے تھے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ آپ ان کو قتل نہ کرنا۔ آپ ان کو کسی طرح اپنے دین پر لے آئیں تو یہ ہماری فوج کے سپہ سالار بنیں گے۔ ان کے چہروں سے ایسی بہادری جھلکتی ہے کہ یہ بڑے شیر دل قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے میں ان کو اپنی طرف لے آؤں گا۔ چنانچہ اگلے دن اس نے ان کو بڑے سبز باغ دکھائے کہ تم ہمارے دین پہ آجاؤ۔ ہم تمہیں یہ دیں گے، وہ دیں گے۔ انہوں نے ساری باتیں سن کر کہا کہ ہم تو ہرگز اپنے دین سے ٹلنے والے نہیں ہیں۔ اب بادشاہ بڑا عجیب فیل کرنے لگا اب اُدھر تو وعدہ کر چکا تھا اور اس طرف اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ تو اب اس کی طبیعت میں غصہ پیدا ہوا۔ اس نے کہا: اچھا! اگر تم میری بات نہیں مانوں گے تو پھر میں دوسرا راستہ اپناؤں گا۔ اور تمہیں قتل کرا دوں گا۔ انہوں نے کہا:

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ:72) ”جو تو کرسکتا ہے کر لے۔“

چنانچہ اس نے تیل گرم کروایا اور ان میں سے ایک کو اس میں ڈلوا دیا۔ اب جب گوشت گرم تیل میں پڑے تو کیا ہوتا ہے؟ چند بخارات اٹھے اور پوری لاش کباب بن چکی تھی۔ بادشاہ نے اب دوسرے کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں سے آنسو جاری تھے۔ بادشاہ یہ سمجھا کہ اب یہ گھبرا گیا، ڈر گیا تو بادشاہ

نے ہمدردی کے لہجے میں اس سے کہا: آپ نہ روئیں، میں آپ کو اس تیل میں نہیں ڈالتا۔ جب اس نے یہ بات کی تو وہ صاحب اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگے:

او عقل کے اندھے! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے ڈر اور خوف کی وجہ سے رو رہا ہوں؟ اس بادشاہ (عقل کے اندھے) نے کہا: ہاں۔ تو وہ کہنے لگے: نہیں۔ میرے دل میں ایک بات آئی اور وہ یہ کہ تو مجھے ایک دفعہ تیل میں ڈالے گا تو میری ایک ہی جان ہے، وہ چلی جائے گی، اے کاش! آج میرے بدن پر جتنے بال ہیں اتنی میری جانیں ہوتیں، تُو مجھے اتنی ہی مرتبہ تیل میں ڈالتا اور میں ہر جان کا نذرانہ اللہ کے سپرد کر دیتا۔

یہ محبّت ہے۔ جب ایسی محبّت ہو تو پھر انسان اللہ رب العزت کے ہر حکم کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ اسی لیے صحابہؓ قرآن مجید کی ایک آیت سنتے تھے تو اپنے سروں کو جھکا لیتے، فوراً اپنے آپ کو بدل لیتے تھے۔ عمل بالقرآن ان کا جو پکا تھا اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اللہ کی محبّت ان کے دلوں میں اس قدر سما چکی تھی کہ اللہ کا کلام سنتے اور فوراً خود کو بدل ڈالتے تھے۔

عمل بالقرآن کی انوکھی مثال:

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ گھر میں مہمان آئے۔ باندی کو حکم دیا کہ کچھ پیش کیجیے۔ شوربے کا ایک پیالہ تھا وہ گرم کر کے لے آئی۔ جب گرم کر کے لے آئی، دروازے سے داخل ہونے لگی تو قدرتاً دیکھ کہیں رہی تھی اور قدم کہیں اٹھا رہی تھی۔ اچانک پاؤں اٹکا تو شوربے کا پیالہ آپؓ کے جسم مبارک پر آ گرا۔ اب جب گرم گرم شوربہ گرے تو بدن جلتا ہے اور کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ کتنا غصہ آتا ہے؟ تو آپ نے جو غصے کے ساتھ باندی کی طرف دیکھا کہ اتنی Careless (غیر ذمہ دار) ہے۔ تو آخر وہ بھی اسی گھر کی باندی تھی۔ پہچان گئی کہ طبیعت میں جلال ہے تو جیسے ہی انہوں نے اس کی طرف دیکھا تو اس

نے آگے سے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ کہنے لگی:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (ال عمرن: 134) غصے کو پی جانے والے۔''

قرآن مجید میں ایمان والوں کی کچھ خوبیاں پروردگار نے گنوائیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ''غصے کو پی جانے والے'' تو جب اس نے یہ الفاظ کہے آپؓ نے فوراً اپنے غصے کو کنٹرول کیا اور اس کی طرف مسکرا کر دیکھا، تو پھر اس نے اگلے الفاظ پڑھ دیے:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (ال عمرن: 134) لوگوں کو معاف کر دینے والے۔

آپؓ نے فرمایا: اچھا چل میں نے تیری غلطی کو معاف کر دیا۔ تو اس نے اگلے الفاظ بھی کہہ دیے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ال عمرن: 134) اور اللہ نیکوکاروں کو پسند فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: جا میں نے تجھے اللہ کے راستے میں آزاد کر دیا۔

کہاں اتنا غصہ ہے؟ کہ اسے سزا دی جائے اور کہاں قرآن کریم کے دو الفاظ سنتے ہیں تو اپنے آپ کو اسقدر بدل ڈالتے ہیں کہ جس کو سزا دینا تھی اس کو اللہ رب العزت کے راستے میں آزاد کر دیا۔

دیوانے بنو، فرزانے نہ بنو:

عقلی محبّت کام نہیں آتی۔ عقل پیچھے رہ جاتی ہے یہاں صرف ولولہ کام آتا ہے۔

لوٹ آئے جتنے بھی فرزانے گئے تا بہ منزل صرف دیوانے گئے

فرزانہ کہتے ہیں عقل مند کو جس کا کیلیبر اچھا ہو، آئی کیو لیول بہت اچھا ہو۔ اور منزل تک وہی پہنچتے ہیں جن کے دلوں میں محبّت الٰہی کی دیوانگی ہوا کرتی ہے۔ اس چیز کو علامہ اقبال نے کہا:

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ خام ابھی اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کہتی ہے کہ ادھر راستہ ہی نہیں کوئی جاتا۔عشق کہتا ہے میں تو ہزاروں بار ہو کے بھی آچکا ہوں، آج اس کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت موجزن ہوتا کہ ہم عمل وعلم کے فاصلوں کو مٹا سکیں۔ دورنگی کو دور کر سکیں۔ظاہر اور باطن کے تضاد کو ختم کر سکیں۔جتنی یہ محبّت کامل ہوگی اتنے ہی علم وعمل کے فاصلے ختم ہو جائیں گے اور انسان اپنے علم پہ عمل کرنے والا ہوگا۔

کچھ ہاتھ آتا نہیں بے آہِ سحر گاہی:

یہ سوزِ عشق پھر انسان کو راتوں کو بھی جگا دیا کرتا ہے۔اللہ کی محبّت میں پھر انسان راتوں کے آخری پہر میں اکثر اپنے پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں کیا کرتا ہے

عطار ہو،رومی ہو،رازی ہو،غزالی ہو کچھ ہاتھ آتا نہیں بے آہِ سحر گاہی

ان کو سحر گاہی کی عادت ہوتی تھی، کسی کو خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا:

اٹھ فریدا سُتیا تے جھاڑو دے وچ مسیت توسُتا تیرا رب جاگدا تیری ڈاھڈے نال پریت

جب اللہ رب العزت کی محبّت دل میں ہو تو پھر راتوں کا اٹھنا مشکل نہیں ہوتا۔خود بخود آنکھ کھلتی ہے۔ایسے لوگوں کو بستر اچھال دیتا ہے رات کے آخری پہر میں۔الارم فٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ان کے اپنے اندر الارم فٹ ہوتا ہے۔وہ اس وقت ان کو اٹھا دیتا ہے۔کتنے تھکے ہوئے کیوں نہ ہوں ان کو مصلے پر کھڑے ہونے سے سکون ملتا ہے اور ساری تھکاوٹ دور ہو جاتی ہے۔اس لیے وہ

رات کے آخری پہر میں استغفار کرتے اور سسکیاں لے لے کر روتے اور روٹھے ہوئے رب کو منایا کرتے تھے

تیری محفل بھی گئی ، چاہنے والے بھی گئے شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

وہ صبح کے نالے آج نظر ہی نہیں آتے۔ کہاں ہیں وہ نوجوان جو لا الہ الا اللّٰہ کی ضربیں لگایا کرتے تھے اور ان کے سینوں میں دل کانپتے تھے۔

منہ دیکھ لیا آئینے میں پر داغ نہ دیکھے سینے میں
دل ایسا لگایا جینے میں مرنے کو مسلماں بھول گئے
تکبیر تو اب بھی ہوتی ہے مسجد کی فضا میں اے انور
جس ضرب سے دل ہل جاتے تھے وہ ضرب لگانا بھول گئے

اس لیے دلوں میں وہ ولولہ نہیں، وہ شوق نہیں۔ نگاہ میلی بن گئی۔ ذرا باہر نکلے ادھر ادھر کی شکلوں صورتوں کو دیکھا۔ ادھر للچائی ہوئی نظریں پڑ رہی ہیں۔ ڈائریکشن بدلتی جا رہی ہے۔ اب اس کو دوبارہ ٹھیک کرنے کے لیے اللّٰہ والوں کی صحبت کی ضرورت ہے۔ ایسی مجالس کی ضرورت ہے جن میں انسان اپنے آپ کو محسوس کرے کہ میں اپنی ڈائریکشن کو ٹھیک کر سکوں اور اللّٰہ کی محبّت کو اپنے دل میں بڑھا سکوں۔ محبّت کے بڑھنے سے انسان کو اعمال کی حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے۔

اعمال کی صورت اور حقیقت:

دیکھیے! یہ جو اعمال ہیں ان کی ایک حقیقت ہے اور ایک ان کی صورت ہے۔ صورت تو یہی ہے کہ ہم مسجد میں تو آگئے اور آ کر چند رکعات پڑھ لیں۔ اگر ان کی حقیقت کیا ہے کہ کھڑے تو مسجد میں ہیں پہنچے ہوئے دفتر میں، بازار میں اور یار کے پاس ہوتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک ٹیپ ریکارڈ تھا اس

نے اللہ اکبر کے الفاظ سے پش بٹن کو پریس کیا اور ٹیپ ریکارڈ پڑھتا رہا، پڑھتا رہا۔ اس کے بعد السّلام علیکم ورحمتہ اللہ پر آف کا پش بٹن پریس کر دیا۔ درمیان میں کیا پڑا؟ کئی بار ہمیں اس کا پتہ ہی نہیں ہوتا، یہ ہے نماز کی صورت۔ اور نماز کی حقیقت کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یہ کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے۔

اگر یہ کیفیت حاصل نہیں تو:

فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

''پس اگر تو اس طرح نہیں کر سکتا تو اس طرح تو نماز پڑھ کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔''

اب نہ یہ کیفیت حاصل نہ وہ کیفیت حاصل، تو پھر ہماری نماز کس درجے کی نماز ہے۔

میرے دوستو! سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ آج یہ حضور قلب دلوں سے نکل گیا ہے۔ قرب قیامت کی علامت ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: تو دیکھے گا کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہوگی، مگر ان کے دل اللہ رب العزت کی یاد سے خالی ہوں گے۔

ایک دفعہ ایک مسجد میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ امام صاحب نے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا: بھئی! میں نے دو رکعت پڑھی ہیں یا چار؟ پوری مسجد میں ایک بندہ ایسا نہ تھا جو کونفیڈینس اور صمیم قلب سے کہے کہ ہم نے دو رکعت پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں۔ سب شک میں تھے۔ کسی کو پتہ نہیں کہ دو پڑھی ہیں یا چار رکعت پڑھی ہیں۔ جب ہماری Concentration (توجہ) کا یہ عالم ہو تو پھر بتائیے اس نماز اثر کا ہمارے اوپر کیا آئے گا؟ اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا:

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذاں میں نے دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشہ سیماب

سیماب کہتے ہیں مرکری کو (پارے کو)۔اور اس کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ تھرتھراتا رہتا ہے۔کانپتا رہتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے کہا: کہ کچھ لوگ ایسے اذان دینے والے تھے کہ جب وہ اذان دیتے تھے تو ان کے ''اللہ اکبر'' کے الفاظ کہنے سے پہاڑ پارے (مرکری) کی طرح کانپنے لگ جاتے تھے۔آگے فرماتے ہیں:

وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی اس کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

کسی فارسی شاعر نے عجیب بات کہی کہ:

بہ زمیں چوں سجدہ کردم ززمیں ندا بر آمد کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

''جب میں نے زمین پہ سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی: اے ریا کے سجدہ کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا''

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں؟

تو آج اس دل کو صنم آشنائی کی بجائے خدا آشنا بنانے کی ضرورت ہے۔تاکہ اس کے اندر اللہ رب العزت کی محبّت پیدا ہو۔پھر ہمیں اعمال کرنے میں قرآن مجید پڑھنے میں بھی مزا آئے گا۔صحابہ کرام اس قرآن مجید کو پڑھتے تھے، سنتے تھے تو ان کو ایک الگ مزا آیا کرتا تھا۔

ایک صاحب نماز میں سورۃ کہف پڑھ رہے ہیں، سینے پہ تیر لگ رہے۔بالآخر ساتھی کو جگا کر کہتے ہیں۔اگر مجھے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیروں پر تیر کھاتا رہتا اور کہف مکمّل پڑھے بغیر نماز ختم نہ کرتا۔اس کی کیا وجہ تھی؟ نماز پڑھتے تھے تو یوں محسوس ہوتا کہ اپنے پروردگار سے ہم کلامی

کررہے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بیٹا باہر سے فون کرے تو ماں کہتی ہے بیٹا کوئی اور بات کرو، ابھی تو کال کی ہے تم نے۔ بیٹا کہتا ہے اماں پندرہ منٹ ہوگئے ہیں کال کو، تو ماں کہتی ہے کہ پندرہ منٹ گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ تو جس طرح ماں کو بیٹے سے بات کرتے ہوئے پندرہ منٹ گزرنے کا پتہ نہیں چلا۔ اسی طرح ان حضرات کو بھی راتوں کے گزرنے کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ تو یہ تمام چیزیں اس لیے تھیں کہ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبّت شدت کے ساتھ تھی۔ تو ان کو یہ مقام حاصل تھا۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:165)

''اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبّت ہوتی ہے۔''

اس لیے وہ دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر مجاہد ہوتے تھے اور راتیں وہ مصلے کی پیٹھ پر گزار دیا کرتے تھے۔ یہ کیسے؟ سارا دن تھکنے کے بعد تو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مصلے پہ کھڑے ہونے سے ان لوگوں کو آرام مل جایا کرتا تھا۔

محبّت والوں کی راتیں:

مبتدی کے لیے یعنی نئے بندے کے لیے عبادت دوا کی مانند ہے اس کو ذرا کھینچ تان کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جب اس راستے پر چل پڑتا ہے تو عبادت گزار بن جاتا ہے۔ پھر اس کا دل چاہتا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں، نیکی میں مصروف رہوں۔ کتنے ہی ایسے واقعات ہیں کہ وہ لوگ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیا کرتے تھے۔ سیدہ فاطمۃ الزاہراؓ کے بارے میں آتا ہے کہ عشا کے بعد دو رکعت کی نیت باندھی۔ اللہ رب العزت کا کلام پڑھتی رہیں، پڑھتی رہیں، دل میں ایسا لطف تھا، ایسا مزا

تھا ،جب سلام پھیرا تو کیا دیکھتی ہیں کہ صبح صادق کا وقت قریب ہے۔دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور یہ دعا مانگی: اے اللہ! میں نے ابھی دو رکعت کی نیت باندھی تھی ۔تیری راتیں کتنی چھوٹی ہیں کہ تیری رات ہی ختم ہوگئی۔تو ان کو راتوں کے چھوٹا ہونے کا شکوہ ہوا کرتا تھا۔یہ نماز ان کی تھکاوٹ دور کر دیا کرتی تھی،فریش کر دیا کرتی تھی۔

آج نوجوان چھٹی کی رات دو ویڈیوز لے کر آتے ہیں اور چھ گھنٹے بیٹھ کر سکرین پر تماشا دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔بالکل اسی طرح ہمارے اسلاف بھی جب قرآن پاک کھول کے بیٹھتے تھے یا مصلے پر کھڑے ہوتے تھے تو ان کو بھی ٹائم گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

جذبہءِ محبّت کا دائرہ کار:

ہمیں یہ کیفیت دلوں میں پیدا کرنی ہے تا کہ دل اللہ کی عبادت کے اندر لگیں۔اللہ کے حکموں کی تعمیل کا جذبہ ہمارے دلوں کے اندر آجائے۔یہ فقط مصلے تک محدود نہ رہے بلکہ اگر ہم دفتر کی کرسی پر بیٹھے ہیں پھر بھی اللہ کی محبّت کا جذبہ دل کے اندر غالب ہو،اگر ہم گھر کے اندر شوہر کی حیثیت سے ہیں تو بھی اللہ کی محبّت کا جذبہ غالب ہو۔ہم زندگی کے جس حال میں بھی ہیں اللہ کی محبّت کا جذبہ غالب ہوگا تو ہم ہر جگہ پر اللہ کے حکم کو نافذ کریں گے۔ہم نبی علیہ السّلام کی مبارک سنت کے مطابق زندگی گزاریں گے۔اسی لیے اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے اس کے کرنے سے انسان کے دل میں اس ذات کی محبّت پیدا ہوتی ہے۔

جذبہِ محبّت کی بیداری کیسے؟

اب آپ دیکھئیے ! آپ یہاں بیٹھے ہیں آپ کے دل میں خیال بھی نہیں،لیکن اگر کوئی بندہ Walls کی آئس کریم کا تذکرہ کرے اور ذرا پانچ منٹ تذکرہ کرتا رہے تو شاید جاتے ہوئے آدھے سے زیادہ ان

میں سے راستے میں سے لے کر یا کھا کر جائیں گے۔تو تذکرہ کے ہونے سے طبیعت میں میلان پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح جن محفلوں میں اللہ کی اس کے محبوب کی اور اللہ والوں کی محبّت کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جو بندہ ان محفلوں میں اکثر اٹھنا، بیٹھنا شروع کر دیتا ہے تو پھر اس کے دل میں بھی اللہ رب العزت کی محبّت کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ایک مقناطیس ہوتا ہے۔لوہے کو تھوڑے دنوں کے لیے اس کے ساتھ رکھیں تو لوہے اندر بھی میگنٹیزم انڈیوس ہو جاتا ہے۔یہ محبّت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔یہ محبّت بھی میگنیٹزم کی مانند ہے۔جب اللہ والوں کے ساتھ کچھ وقت گزارتے ہیں تو ایسے ہی نیک اور صالحین کے دلوں کی وہ محبّت ان دلوں میں انڈیوس ہو جاتی ہے۔وہ اپنے دلوں میں اس کے اثرات محسوس کرتے ہیں۔پھر ہمارے لیے اللہ رب العزت کے حکموں کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہوگی۔جب ہمارے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبّت ہوگی تو راتوں کو جاگنا مشکل نہیں ہوگا۔اسی لیے تو کہنے والے نے کہا:

مجھ کو نہ اپنا ہوش،نہ دنیا کا ہوش ہے بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے جمال میں
تاروں سے پوچھ لو میری رودادِ زندگی راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

تو پھر انسان اللہ کے خیال میں،اس کی یاد میں راتوں کو جاگتا ہے۔

اشعارِ محبّت:

ہمارے ایک بزرگ خواجہ عزیز الحسنؒ تھے۔ان سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا: حضرت سنائیے کیا حال ہے؟ پہلے تو وہ ڈپٹی کلکٹر تھے پھر انہوں نے پنشن لے لی۔تو انہوں نے اس کا جواب شعر میں دیا۔یہ شاعروں کی عادت ہوتی ہے۔فرمانے لگے:

پنشن ہوگئی ہے کیا بات ہے اپنی

اب دن بھی ہے اپنا اور رات ہے اپنی
اب اور ہی کچھ ہے میرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم

اگر یہ چیز نصیب ہو جائے کہ ہر وقت ہی رہتا ہے ملاقات کا عالم، تو پھر ہم گناہ نہیں کریں گیں بلکہ سوچیں گے بھی نہیں گناہ کے بارے میں۔ اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا ہر کام اللہ کے حکموں کے مطابق ہو جائے تو پھر نماز کے لیے ترغیب نہیں دینی پڑے گی۔ یہ نہیں بتانا پڑے گا کہ اشراق پڑھ لو، حج اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔ پھر انسان موقع ڈھونڈے گا۔ جن دو بندوں کے درمیان تعلّق ہو تو وہ ٹیلی فون پر بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈتے ہیں۔ اسی طرح جس بندے کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔ پانچ فرض نمازوں سے اس کے محبّت کے جذبات کو تسکین نہیں ہوتی۔ وہ بہانے ڈھونڈتا ہے، کوئی اور موقع مل جائے ذرا گفتگو کرنے کا۔ لٰہذا، تہجّد کا وقت آیا تو حاضر ہیں، چاشت کا وقت آیا پھر حاضر ہیں، چاشت دعا کا وقت آیا تو پھر حاضر ہیں، اوابین کا وقت آیا پھر حاضر ہیں، انہوں نے مسجد میں قدم رکھا، جلدی سے تحیۃ الوضوکی نیت کر لی، ان کو تو موقع کی تلاش تھی۔ موقع مل گیا۔ اللہ کے حضور ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے ہیں اور محبوب سے بات کرنے کا مزہ پا رہے ہوتے ہیں۔ تو پھر یہ کیفیت ہوتی ہے۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم ثواب و عذاب کو کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

وہ جمع، تفریق تھوڑا کر رہے ہوتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ